© rasailojaraid.com

سیّد ریاست علی ندوی

خواجہ حسن نظامی کی "تاریخِ مسیح"

[اردو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات پر جو متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، اِن کا غالب حصہ مسیحی اہلِ قلم کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ شاید اکا دکا مضامین سکھ اور ہندو مصنفین نے بھی لکھے ہیں۔ پروفیسر پریتم سنگھ نے بھائی ہونے کے ناتے تمام مذاہب کو سچا قرار دیتے ہوئے ایک کتاب "ہمارے مرّبی اور اُن کی تعلیم"[1] مرتب کی جس میں سری کرشن، زرتشت، مہاتما بدھ، کنفیوشس، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ اور بہاء اللہ پر سوانحی مضامین یک جا کیے۔ مسلم علماء و فضلاء نے مسیح علیہ السلام اور مسیحیت پر بیسیوں کتابوں میں قرآن و سنت کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔ قرآن و سنت اور "کتاب مقدس" کے تقابلی مطالعہ پر مبنیٰ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا مقالہ بالخصوص قابلِ مطالعہ ہے۔ اس طرح گزشتہ صدی ڈیڑھ میں شائع ہونے والی تفاسیر قرآن میں بھی اِس تقابلی مطالعہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، تاہم اُردو ادب میں خواجہ حسن نظامی (م ۱۹۵۵ء) کی "تاریخِ مسیح" اپنے طرز کی واحد کتاب ہے جو ایک مسلمان کی تحریر ہے۔

خواجہ حسن نظامی ماضی قریب کی اُن شخصیات میں سے تھے جن کے طرزِ عمل سے تو اختلاف کیا جاتا رہا[2] مگر اُن کی خوبصورت تحریروں کے موافق و مخالف سب ہی شوقین رہے۔ اُن کے دائرہ تعلقات میں[3] "فقراء و مساکین سے لے کر امراء و سلاطین اور حکّام اعلیٰ تک، ہندوستانیوں سے لے کر یورپیوں تک، ہندو، مسلمان، یہودی، عیسائی، سکھ، پارسی غرض ہر مذہب و ملت" کے لوگ شامل تھے۔ اُنھوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ سری کرشن کی "کرشن بیتی" لکھی اور ۱۹۲۷ء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات "تاریخِ مسیح" قلمبند کی۔

"تاریخِ مسیح" ایک عرصے سے نایاب ہے تاہم اہل علم نے اس سے صرف نظر نہیں کیا۔ ڈاکٹر سیّد شاہ علی نے اُن کی مؤلفہ سوانح عمریوں پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔[4] "تاریخِ مسیح" کی اشاعت کے فوراً بعد مولانا سیّد ریاست علی ندوی نے "معارف" (اعظم گڑھ) بابت ستمبر ۱۹۲۷ء میں اِس پر تبصرہ لکھا تھا جو ابتدائی چند سطریں حذف کرتے ہوئے آئندہ صفحات میں نقل کیا جاتا ہے۔ حذف شدہ سطریں براہ راست "تاریخِ مسیح" سے متعلق نہیں۔ مدیر]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

--- "تاریخِ مسیح" میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تمام سوانح حیات اور پیام دعوت کو عیسائیوں کی معتبر کتابوں سے انہی کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھ کر سادہ اور سلیس طریقہ سے یک جا کر دیا ہے۔ اس لیے یہ "تاریخِ مسیح" نہیں، دراصل "سیرۃِ مسیح" ہے۔ مصنف نے اِس کے لیے "تاریخِ مسیح" نام صحیح نہیں تجویز کیا ہے کہ تاریخ کا اطلاق قوموں اور ملکوں کے حالات پر کیا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب نے اس کتاب کی تدوین میں چال کہ یہ ملحوظ رکھا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے، وہ عیسائیوں کے نقطۂ نظر کے مطابق ہو، اس لیے حالات کی صحت و عدم صحت کی تمام تر ذمہ داری عیسائیوں کی مقدس کتابوں اور عیسائی مصنفین پر ہے۔ اور اس لیے خواجہ صاحب نے اسلوبِ بیان میں بھی مسیحی نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھا ہے اور حضرت مسیح کے متعلق وہی الفاظ استعمال کیے ہیں جو بالعموم مسیحی مقدس کتابوں میں اُن کے متعلق ملتے ہیں، لیکن کہیں کہیں یہ احتیاط قائم نہ رہ سکی۔ مثلاً "آخری دعا" کے موقع پر "میری موت کا وقت آن پہنچا" اپنے "رسول کو جلال بخش" کے جملہ میں رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ انجیل میں اس موقع پر "بیٹے" کا لفظ ہے۔ (یوحنا ۱:۱۷) خواجہ صاحب کو اِس نقلِ کفر میں باک کیوں ہوا! وہ تو ہمیشہ سے ایک جری اہل قلم ہیں۔

اسی طرح اس کتاب میں خواجہ صاحب نے اس کا بھی التزام رکھا ہے کہ سوانح و پیام مسیح میں عیسائی دُنیا میں جو مختلف فیہ امور ہیں، اور اس سلسلہ میں علمی تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے جو موشگافیاں کی گئی ہیں، اُنہیں عمداً نظر انداز کر دیا جائے، اس لیے یہ کتاب دراصل محض سرسری اور سادہ حالات پر مشتمل ہے لیکن اِس موقع پر بھی کہیں کہیں خواجہ صاحب نے بعض تاریخی و علمی حقائق کے انکشاف کی کوشش کی ہے۔ مثلاً صفحہ ۳۵ پر ایک سامری عورت کے سلسلہ میں سامریوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ "دراصل وہ فارسی نژاد تھے" "لیکن تمام سامریوں کو فارسی نژاد بتانا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ خود "کتابِ مقدس" کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ سمرون میں بنی اسرائیل کے ایسے قبائل آباد تھے جو مذہب سامری کے پیرو تھے اور خصوصاً خواجہ صاحب جس عورت کا تذکرہ فرما رہے ہیں، وہ خود اپنے الفاظ "ہمارے باپ یعقوب" اور "کنواں عطا کیا۔" (یوحنا ۱۲:۴) سے اپنے اسرائیلی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اِس موضوع پر مسیحی توسط سے جو حالات مل سکتے تھے، سب کو مسلسل اور مربوط طریقہ سے یک جا کر دیا گیا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر بعض چیزیں ایسی نظر انداز ہو گئی ہیں جنہیں خاص اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً جس موقع پر بتایا گیا ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے قتل کا فیصلہ کیا، وہاں یہ بھی بتانا تھا کہ فیصلہ قایافس [کائفا] سردار کاہن نے کیا اور اس کے ساتھ اس کے متعلق یوحنا کے اس بیان کو بھی پیش کرنا تھا کہ "مگر اُس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی۔" (یوحنا ۵۱:۱۱) کیوں کہ جیسا کہ معلوم ہے پھر اسی قایافس ہی نے حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسیح کے لیے مذہبی عدالت سے موت کا آخری فیصلہ سنایا۔

خواجہ صاحب ان اسرائیلیات میں مسلمانوں کے لیے جابجا قوسین میں اسلامی عقیدے بھی نہایت مختصر جملوں میں لکھتے گئے ہیں اور آخر کے چند صفحوں میں "حضرت عیسیٰ کی نسبت مسلمانوں کا خیال" کے عنوان سے اسلامی عقائد بھی پیش کیے ہیں لیکن خواجہ صاحب کی یہ مختصر تصریحات اس مربوط اسرائیلی افسانے کے سامنے جس کو خواجہ صاحب نے مرتب کیا ہے، قطعی ناکافی ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے بعد میں اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی اُمید دلائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اس موقع پر وہ اس ضمیمہ کو اور وسعت دیتے اور اسلامی عقائد اور اس کے استدلالات کو بھی مناظرانہ طرزِ تحریر سے علیحدہ ہوکر یک جا کر دیتے، تاکہ ناظرین "عیسائیوں کے عقائد کے موافق عیسائی تعلیم کا نمونہ" دیکھنے کے بعد اسلامی معتقدات سے بھی پوری طرح آگاہ ہوجاتے۔

آخر میں "اسلامی علم و ادب میں حضرت عیسیٰ کا ذکر" کے عنوان سے عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ "اسلامی شعراء نے حضرت عیسیٰ کا نام بھی اپنی شاعری کا ایک مستقل باب قرار دے لیا جس میں ہر شاعر نے مختلف طریقوں سے حضرت عیسیٰ کی تعریف لکھی ہے۔" اور اس ذیل میں مختلف شعراء کے کلام نمونہ کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اس سے خواجہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کے معجزات پر مسلمانوں کو اس درجہ یقین رہا کہ اُن کے ادبیات میں "اعجازِ مسیحائی" ایک خاص عنوان قرار پاگیا، اور شعراء نے مختلف خیالات، جذبات اور احساسات کے ادا کرنے میں اس وصف کو مجاز، استعارہ، تشبیہ اور تمثیل کے طور پر استعمال کیا۔

افسوس ہے کہ خواجہ صاحب اپنی اس تالیف میں اپنے مخصوص طرزِ انشاء کو قائم نہ رکھ سکے اور دیباچہ میں اس کا خود اعتراف کیا ہے لیکن اِس سلسلہ میں اُنھوں نے ایسی بے اعتنائی کی کہ دلّی کا انتساب رکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شایانِ شان نہیں۔ مثلاً "اسے بڑی فکر دامن گیر ہوگئی" یا "احکامات"، "رہائش" اور "انکساری" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال۔ اس سے بدگمانی ہوئی ہے کہ خواجہ صاحب نے اس میں "خود" محنت کم کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب اب کامیاب مصنّف ہو چکے ہیں، اُن کو اب خود زیادہ محنت کرنے کی ضرورت بھی کم ہے۔ خدا خواجہ صاحب کے قدر دانوں کو سلامت رکھے۔ اُن کی ہر تحریر کو وہ دعا تعویذ سمجھتے ہیں اور ایک مصنّف کے لیے اس عہد میں اِس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ کتاب ۲۱۶ صفحوں پر تمام ہوئی ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ اوسط درجے کا ہے۔

حواشی

۱۔ لاہور: مؤلف (۱۹۴۱ء)، پروفیسر پریتم سنگھ کے نام سے بعض لکھنے والوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ اُن کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق سکھ مذہب سے تھا۔ دیکھیے: سیّد سلطان محمد شاہ ایم ۔ اے، غیر مسلم اور سیرت مصطفیٰ ﷺ، ماہنامہ نعت (لاہور)، جون ۱۹۹۰ء، ص ۴۲

۲۔ خواجہ حسن نظامی کی سوانح حیات اور شخصیت کے مطالعہ کے لیے دیکھیے: حیرت شملوی، محفلِ دیدم، محمد آباد (تحصیل صادق آباد): حیرت شملوی اکیڈمی (۱۹۸۱ء)، ص ۹۲ - ۹۶، شوکت تھانوی، شیش محل، لاہور: اردو بک سٹال (س - ن)، ص ۹۹ - ۱۰۱، عبدالسلام خورشید، وے صورتیں الٰہی، لاہور: قومی کتب خانہ (۱۹۷۶ء)، ص ۱۲۳ - ۱۲۷، عبدالماجد دریا بادی، معاصرین، کراچی: مجلس نشریات اسلام (س - ن)، ص ۹۵ - ۹۷، عبدالمجید سالک، یارانِ کہن، لاہور: مطبوعات چٹان لمیٹڈ (۱۹۶۳ء)، ص ۱۶۳ - ۱۷۲، ماہر القادری، یادِ رفتگاں، لاہور: البدر پبلی کیشنز (۱۹۸۴ء)، ص ۱۸۱ - ۱۹۰، ملا واحدی، نقوش (لاہور)، شخصیات نمبر، حصہ اول، ص ۲۵۱ - ۲۵۷

۳۔ عبدالمجید سالک، یارانِ کہن، حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۴

۴۔ ڈاکٹر سیّد شاہ علی، اردو میں سوانح نگاری، کراچی: گلڈ پبلشنگ ہاؤس (۱۹۶۱ء)، ص ۲۶۷، ڈاکٹر سیّد شاہ علی نے "کرشن بیتی" اور "تاریخ مسیح" کا موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کو بہتر قرار دیا ہے۔ البتہ اُن کی یہ رائے محلِ نظر ہے کہ "تاریخِ مسیح" بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔

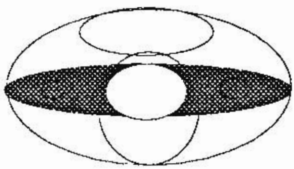

© rasailojaraid.com